رشید احمد جالندھری

خاندانی منصوبہ بندی پر ایک نظر

موجودہ وقت میں تیسری دُنیا کو جن مشکلات کا سامنا ہے، ان میں سے ایک مشکل یہ ہے کہ آبادی میں بڑھتے ہوئے غیر معمولی اضافے پر کیوں کر قابو پایا جائے۔ ؟ کیونکہ آبادی جس رفتار سے بڑھ رہی ہے، اس رفتار سے وسائلِ پیداوار Means of Production میں اضافہ نہیں ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے ان ملکوں میں غربت و افلاس اور اقتصادی زبوں حالی خوف ناک شکل اختیار کر جائے گی اور انسان کے لیے ایک باوقار زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اربابِ حکومت، اہلِ علم اور سماجی ادارے مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں، پاکستان بھی ان ممالک میں شامل ہے جو اس مشکل کو سلجھانے کے لیے سعی پیہم کر رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس صدی کے اختتام تک پاکستان کی آبادی دوگنی ہو جائے گی اور شہری آبادی کے لیے کراچی سائز کے آٹھ جدید شہر بسانے پڑیں گے۔[1] ایسے ہی تعلیم اور مواصلات میں بھی عام لوگوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنا از بس دشوار ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نازک مسئلے کے حل کے لیے وسائلِ پیداوار کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ خاندانی منصوبہ بندی (Family Planning) کو اختیار کرنے اور اس کے لیے ایک ٹھوس پروگرام بنانے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اس سلسلے میں بڑے کنبے کی نسبت چھوٹے کنبے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ چھوٹے کنبے کے قیام کے لیے جدید وسائل کو اختیار کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا، یعنی منع حمل کے لیے ادویات کا استعمال۔ لیکن ان تدابیر کے ساتھ ساتھ ایک جماعت نے یہ بھی کہا کہ خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام ہماری اسلامی روایات کا ساتھ نہیں دیتا۔ اس پروگرام سے جنسی بے راہ روی بڑھے گی اور خواتین کے جسمانی اور نفسیاتی امراض میں اضافہ ہو گا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دونوں

جماعتوں نے (خاندانی منصوبہ بندی کی حامی اور مخالف جماعتیں) اپنے اپنے افکار کی حمایت میں قرآن مجید، سنّت رسول (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) سے استدلال کیا ہے۔ ہمارے ایک محترم دوست نے ہمیں دونوں حضرات کی تحریریں بھیجی ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق مولانا محمد جعفر پھلواروی مرحوم کی کتاب "اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی" شائع ہوئی ہے جس میں مولانا مرحوم نے قرآن مجید، سنتِ رسولؐ اور فقہ سے ثابت کیا ہے کہ اسلام خاندانی منصوبہ بندی کا مخالف نہیں ہے۔ یہ نقطۂ نظر (چھوٹے کنبے کا تصور) اسلام کی ابتدائی تاریخ میں موجود تھا، لوگ اس غرض کے لیے "عزل" (مادۂ تولید کا بوقت مباشرت "کھیتی" سے باہر پھینک دینا) کرتے تھے۔ حضرات صحابۂ کرام اور ائمہ کبار نے اس عمل کی اجازت دی ہے۔ مولانا مرحوم نے بڑی تفصیل اور وضاحت سے اپنے نقطۂ نظر کو بیان کیا ہے۔ دوسری طرف اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی ایک مفصل رپورٹ "رپورٹ خاندانی منصوبہ بندی" ۱۹۸۴ء میں مارشل لا حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کو ترک کر دے۔ اسلامی کونسل نے انفرادی طور پر تو بعض حالات میں "اسقاطِ حمل" یا "منع حمل" کو جائز قرار دیا ہے، (ص-۱۰) لیکن اس عمل کو قومی سطح پر اختیار کرنا ملک و ملّت کے لیے نقصان دہ قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ جو لوگ اس پروگرام کے حق میں ہیں، وہ دراصل بقول رپورٹ مغرب کے "شاگردانِ رشید" ہیں (ص ۲۳) اور مغرب کے بدنیّت پروپیگنڈا باز (ص ۱۸) شیطان کا رول ادا کرتے ہوئے نسلِ انسانی کی بربادی کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ (ص ۵)

مقام مسرت ہے کہ دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر کی حمایت کے لیے قرآن و سنّت سے استدلال کیا ہے۔ بے شبہ مسلم سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ اپنے اجتماعی مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلامی روایات اور اخلاقی قدروں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے، اس سے ہٹ کر جو بھی حل سوچا جائے گا، وہ مشکلات میں مزید الجھن تو پیدا کرے گا، ہمارے مسائل کا مداوا نہیں بن سکے گا۔ البتہ اہلِ علم اور اصحابِ بصیرت کا کام یہ ہے کہ وہ کسی آخری رائے پر پہنچنے کے لیے دونوں جماعتوں کے نقطہ ہائے نظر، ان کے دلائل اور زورِ استدلال کا جائزہ لیں اور اخلاص کے ساتھ ادراکِ حقیقت تک پہنچنے کی سعی کریں۔ یہاں یہ کہنے کی

ضرورت نہیں کہ ہمیں اپنے ذاتی افکار اور مفروضات کی حمایت کے لیے شریعتِ مقدسہ کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیے ء بلکہ شریعت کی روشنی میں اپنے افکار کا سانچہ تیار کرنا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت میں برطانوی حکومت سے ترک موالات اور عدم تعاون (NON COOP-ERATION) کے سوال پر برصغیر کے معروف عالمِ دین مولانا محمود حسن دیوبندی سے پوچھا گیا تو آپ نے اپنے شاگردوں — مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی کفایت اللہؒ دہلوی اور مولانا سید حسین احمد مدنی سے کہا — یہ فتویٰ آپ لوگ لکھیں، اس لیے کہ مجھ میں انگریزوں سے نفرت کا جذبہ شدت لیے ہوئے ہے۔ مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہو سکے گی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "لَا یَجْرِمَنَّکُم شَنَانُ قَوْمٍ عَلیٰ اَلَّا تَعْدِلُوا" (یعنی کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے تم جادۂ عدل سے نہ ہٹو) اس لیے آپ ہی لوگ لکھیں۔" چنانچہ ہم نے اپنے عظیم اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اس اہم مسئلے پر غیر جانبدار ہو کر نظر ڈالیں۔

چنانچہ دونوں فریق کی تحریروں کو دیکھنے کے بعد جو کچھ محسوس کیا ہے، اسے سپردِ قلم کر دیا ہے۔ ہمیں نہ مشرق سے عقیدت ہے نہ مغرب سے نفرت، دونوں جگہ خدا کی مخلوق بستی ہے، جس کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا ہمارا اخلاقی اور مذہبی فرض ہے۔

بے شبہ شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد بقول علّامہ ابن قیمؒ، حکمت اور مخلوق کی دنیوی اور اخروی بھلائی پر رکھی گئی ہے۔ شریعت سراپا انصاف، شفقت، بھلائی اور حکمت کا نام ہے۔ چنانچہ ہر وہ امر جو جادۂ انصاف، رحمت، بھلائی اور حکمت سے ہٹ کر ظلم، سختی، فساد اور حماقت کا موجب بنے گا، شریعت کا جزُ شمار نہیں ہوگا۔ خواہ وہ (امر) کسی تاویل کے ذریعے شریعت ہی کا حصّہ کیوں نہ قرار دیا گیا ہو۔ ایک دوسری جگہ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں — "انبیا اور آسمانی کتابوں کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں عدل و انصاف قائم ہو، پس جس راہ پر چل کر عدل و انصاف کا قیام ممکن ہوگا، وہ راہ دین کا ایک حصّہ شمار کی جائے گی۔" چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسلم سوسائٹی اور حکومت کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں اور ایسے ہی آنے والی نسل کی فلاح و بہبود کے لیے ایک مربوط پروگرام کے تحت کام کرے تاکہ موجودہ اور مستقبل کے شہری، عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکیں۔ ایسا منصوبہ

یا پروگرام عدل وانصاف کے قیام ہی کا ایک حصّہ شمار ہوگا، اور شریعت اسلامیہ کی روح کے مطابق ہوگا۔ جس طرح آج آبادی کی کثرت کا سوال عہد حاضر کا اہم مسئلہ ہے، جس سے پوری انسانی سوسائٹی دلچسپی لے رہی ہے، اسی طرح کا ایک سوال حضرت عمرؓ کو بھی پیش آیا تھا جس سے ہم آج بھی غور و فکر کی راہوں کو روشن کرسکتے ہیں - عراق اور شام کی فتح کے بعد یہ سوال سامنے آیا کہ مفتوح زمینوں کا نظام کیوں کر کیا جائے - ؟ اگر قرآن مجید کے نصوص کا بقول شیخ محمد الخضری، ظاہری مفہوم لیا جاتا تو یہ زمینیں مالِ غنیمت شمار ہوتیں، ان کا پانچواں حصہ مفادِ عامہ کے لیے وقف ہوتا اور باقی حصّہ فوجی مجاہدین میں تقسیم کردیا جاتا - چنانچہ مجاہدین نے حضرت عمرؓ سے یہی مطالبہ کیا کہ زمینیں سابقہ روایت کے مطابق ان سب میں تقسیم کردی جائیں، لیکن حضرت عمر نے ان کی بات نہ مانی اور ان زمینوں کو ریاست کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا - لیکن مجاہدین نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ جن علاقوں پر ہم نے تلوار کے زور سے قبضہ کیا ہے آپ انہیں ان لوگوں کی نذر کر رہے ہیں، جو ابھی تک اس دُنیا میں آئے ہی نہیں - لیکن حضرت عمرؓ اپنی رائے پر قائم رہے اور اس سلسلے میں مہاجرین سے مشورہ کیا - مہاجرین میں سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مجاہدین کی رائے سے اتفاق کیا لیکن حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت طلحہ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا - اب حضرت عمرؓ نے انصار کے دس مقتدر اور اہل رائے سے مشورہ کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا — میں نے آپ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ آپ کے ریاستی امور کو سلجھانے کی جو ذمہ داری میں نے اُٹھا رکھی ہے، اس میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں، میں آپ میں سے ایک فرد ہوں اور نہیں چاہتا کہ آپ میری رائے کی پیروی کریں - آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق کی بات کرتی ہے - بخدا - اس سلسلے میں میرے پیش نظر سچائی کے سوا اور کچھ نہیں - آپ نے ان لوگوں کی باتیں سنی ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے، (یعنی اُنھیں اُن کے حقوق سے محروم کردیا ہے) میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں - اگر ان کی کوئی چیز ہوتی اور میں اسے کسی اور کو دے دیتا تو یہ یقیناً ظلم ہوتا - بہرحال میری یہ رائے ہے کہ اگر ان زمینوں کو تقسیم کردیا گیا تو پھر شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کے دفاع کے لیے جو فوج رکھی جائے گی اور اس پر جو خرچ آئے گا وہ

خرچ کہاں سے پورا کیا جائے گا؟ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ زمینیں تمام مسلمانوں، ان کی آنے والی نسل کے لیے وقف ہوں (ریاست کی ملکیت ہوں) حضرت عمرؓ کی یہ رائے سن کر انصار نے کہا کہ آپ کی رائے بہترین رائے ہے، اگر سرحدوں اور شہروں کی حفاظت کا انتظام نہ کیا گیا تو اہلِ کفر ان شہروں میں واپس آجائیں گے۔ حضرت عمر نے یہ سن کر کہا کہ اب بات بالکل صاف ہوگئی ہے۔ چنانچہ آپ نے مفتوحہ زمینوں کو ان کے مالکوں کے پاس رہنے دیا، اور ان پر ٹیکس لگا دیا۔ چونکہ اکثریت نے حضرت عمر کا ساتھ دیا، آپ سے اختلاف کرنے والے خاموش ہوگئے۔ [۳۰]

یہ واقعہ اجتہاد کی بہترین مثال ہے۔ حضرت عمرؓ نے پبلک مفاد (Public Interest) کے لیے جس چیز کو بہتر جانا، اسے غور و فکر اور مشورے کے بعد قانوناً نافذ کر دیا۔ اس فیصلے کی بنیاد پر شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھا۔ "خدا کے پیغمبر اور خلیفہ کو اراضیات پر پورا حق ہے، کہ وہ خدا کے سپاہیوں کو دے، یا مال وقف قرار دے یا اس کے رہنے والے غیر مسلموں میں تقسیم کرے۔" چنانچہ آج اگر حکومت اپنے مادی وسائل کو سامنے رکھ کر آنے والی نسل کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی قدم اُٹھاتی ہے، تو اس کا یہ قدم جائز قدم ہوگا، بشرطیکہ یہ قدم قرآن و سنّت کی کسی قطعی نص اور شریعت اسلامیہ کے بنیادی مقاصد کے خلاف نہ ہو۔ قرآن مجید اور احادیث صحیح میں ایسی نصوص موجود ہیں، جو اس امر کی اجازت دیتی ہیں کہ آدمی کثرتِ اولاد سے بچنے کے لیے صرف ایک شادی کرے، یا "عزل" کرے۔

قرآن مجید کی سورہ النساء آیت ۳ میں آیا ہے کہ اگر آدمی کو یہ ڈر ہو کہ وہ چار بیویوں میں انصاف نہیں کر پائے گا، تو پھر ایک ہی شادی کرے، قرآن کا ارشاد ہے۔ "پھر اگر ڈرو کہ ان (چار بیویوں) میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی شادی کرو۔" اس آیت میں قرآن نے مزید فرمایا کہ ایسا کرنا (ایک شادی کرنا) ناانصافی سے بچنے کے لیے زیادہ مناسب اور قرینِ صواب ہے۔ اس آیت ۳ کی تشریح میں امام رازی اور قرطبی نے اپنی تفسیروں میں امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر تم کثرتِ عیال نہیں چاہتے، تو پھر یہ امر (ایک شادی کرنا) قرینِ صواب ہے۔ ایسے ہی سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۳ میں آیا ہے۔ "تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں،

سوجاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو" اسی آیت کی تفسیر میں امام رازی رح نے حضرت ابن عباس رض سے اور ابوبکر جصّاص نے امام ابوحنیفہ رح سے یہ قول نقل کیا ہے کہ تمھیں (بہ وقت مباشرت) عزل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ ابوبکر جصّاص نے مزید کہا ہے ـــ البتہ یہ عمل (عزل) بیوی کی رضامندی سے ہوگا۔ اور یہی رائے جو ہمارے حنفی حضرات سے منقول ہے، حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض، حضرت عثمان رض، ابن مسعود رض، ابن عباس رض اور دوسرے حضرات سے بھی منقول ہے۔[۴۷] سورۃ النساء اور سورۃ البقرہ کی آیات مذکورہ کی تشریح و تفسیر میں امام شافعی رح اور امام ابوحنیفہ رح نے جو کچھ کہا ہے اس کے پیشِ نظر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قرآن مجید میں بڑے کنبے کی بجائے چھوٹے کنبے کے حق میں صاف اشارات موجود ہیں، نیز یہ کہ اہل علم کے نزدیک کنبے کا بڑا یا چھوٹا ہوتا ایک انفرادی معاملہ تھا۔ اگر ایک آدمی زیادہ بچوں کی خواہش نہیں رکھتا، تو اس کا اپنا فیصلہ ہے جس میں وہ آزاد ہے۔ کیوں کہ اصل مسئلہ بیوی بچوں کے بارے میں اخلاقی اور شرعی ذمہ داریوں کو نبھانے کا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپورٹ میں "عزل" کو اجتماعی طور پر اختیار کرنے کو خلافِ شرع قرار دیا ہے۔ اس نے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے، جن میں بھوک کے ڈر سے قتل اولاد کی مذمت کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں بیٹی کو معاشی طور پر بار اور معاشرتی طور پر عار تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بچی کو اس کی پیدائش کے بعد ہی بعض قبائل میں قتل کر دیا جاتا۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کو نامراد قرار دیا جو بیٹی کو معاشرتی عار یا معاشی بار تصور کر کے قتل کر دیتے یا اسے کسی بت کی نذر کر دیتے۔ یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ قرآن مجید میں قتل اولاد سے مراد بیٹیوں کا قتل ہے۔ عرب تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ دور جاہلیت میں کسی نے بیٹے کو بھوک کے ڈر سے قتل کیا ہو یا اسے کسی بت کی منت مان کر قربان کر دیا ہو۔ البتہ رسول اکرم ص کے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کی قربانی کی منت ضرور مانی تھی، لیکن بعد میں انھوں نے عرب کے سرداروں کے کہنے پر بیٹے کی جگہ ایک سو (۱۰۰) اونٹوں کی قربانی دے دی۔ سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ عرب سرداروں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ اگر آپ نے بیٹے کو قربان کر دیا تو پھر ہر آدمی اپنے

بیٹے کو قربان کرے گا، ایسی صورت میں نسلِ انسانی باقی نہیں رہے گی، چنانچہ بیٹے کو ذبح کرنے کا معاملہ رفع دفع ہو گیا او بیٹوں کی پیدائش ہمیشہ وجہ نازبنی رہی۔ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اکرمؐ کی دعوت اور مخلوق خدا کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے صرف اس لیے انکار کیا تھا کہ انھیں بقول قرآن اپنی دولت اور اولاد (بیٹوں) پر بڑا ناز تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، سورۃ القلم آیت ۱۴، سورۃ المدثر آیت ۱۲، ۱۳) ، القصہ قرآن مجید میں قتل اولاد سے مراد بچیوں کا قتل ہے۔ اب "عزل" کی بحث میں جب کہ مادہ تولید اپنی فطری جگہ پر (رحم مادر) استقرار ہی نہیں پاتا، ان آیات کو استدلال میں پیش کرتا، جیسا کہ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے، صحیح نہ ہوگا، جن کا تعلق قتل نفس سے ہے، یعنی ان بچیوں کے قتل سے ہے، جنھیں پیدائش کے بعد قتل کیا گیا ہے۔ جب "عزل" قتل نفس یا قتل اولاد کے معنی میں نہیں بولا جاتا تو پھر قتلِ نفس سے متعلق آیات کا اطلاق "عزل" پر کیسے ہو سکتا ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ خود اسلامی نظریاتی کونسل کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ "عزل" قتل نفس نہیں ہے،: "یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، کہ منعِ حمل، قتلِ نفس یا قتل اولاد نہیں"۔ (رپورٹ ص ۳۳)

چھوٹے کنبے اور "عزل" کی تائید میں سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء کے واضح اشارات کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے عزل کی بحث میں اپنی ایک متفقہ حدیث میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ: "ہم عہد نبوی میں "عزل" کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا"۔ گویا عہد نبوی میں "عزل" کا یہ عمل سوسائٹی میں نامانوس نہیں تھا، جس پر کسی صحابی نے دوسرے صحابی کو ملامت کی ہو۔ یا اسے شریعت یا آدابِ معاشرت کے خلاف قرار دیا ہو۔ البتہ بخاری میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق میں صحابۂ کرام شریک تھے، انھیں خیال آیا کہ رسول اکرمؐ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں، لیکن ہم ان کے علم میں لائے بغیر "عزل" کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ "عزل" میں کوئی ہرج نہیں۔ آپ کے ارشاد گرامی: "**ما علیکم ان تفعلوا**" کا ایک یہ مفہوم بھی لیا گیا ہے کہ "عزل" نہ کرنا تم پر واجب نہیں"۔ اس لیے کہ جو روح قیامت تک وجود میں آنے والی ہے، وہ تو آکر ہی رہے گی، (یعنی تم عزل کرو یا نہ کرو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا)۔

ان روایات سے یہ بات بالکل صاف ہے۔(۱) عزل صحابہ کرامؓ کے ہاں متعارف تھا۔ (۲) آں حضرتؐ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم سوسائٹی نہ صرف عزل کے تصوّر سے واقف تھی، بلکہ اس عمل کو مزید مؤثر بنانے کے لیے مسلم اطبّا نے طبی تجربے بھی کیے اور منعِ حمل کے لیے دوائیاں تیار کیں، جن پر کسی اہل علم نے انھیں ملامت نہیں کی۔ منع حمل سے متعلق ان طبی بحثوں کو آج بھی ابنِ سینا کی کتاب القانون، میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ابن سینا کے علاوہ اور بھی ممتاز اطبّا نے اس موضوع پر دادِ تحقیق دی۔ اسماعیل جرجانی کی " الحاوی فی الطب" ابن الجامع کی " الارشاد " اور داوٗد انطاکی کی " تذکرۃ " میں یہ بحث موجود ہے۔ اسلام کی تاریخ میں کسی عالم کے بارے میں یہ نہیں لکھا گیا کہ اس نے منع حمل سے متعلق ابن سینا کی دواؤں اور طریقوں کو "قتلِ اولاد" سے تعبیر کیا ہے یا حکومتِ وقت سے مطالبہ کیا ہو کہ ان اطبّا کی "خطرناک طبّی سرگرمیوں" پر پابندی لگادی جائے۔ اگر قرآن مجید کی آیات، جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، اور بخاری و مسلم کی متفقہ روایت جن میں "عزل" یا چھوٹے کنبے سے نہیں روکا گیا اور منع حمل کے لیے مسلم نامور اطبّا کی دواؤں کو کسی نے قتلِ نفس سے تعبیر نہیں کیا، تو پھر آج اسی "عزل" کو مذہب کی بنیادوں پر جماعتی طور پر ممنوع کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ خود اسلامی کونسل اس بات کا اعتراف کر رہی ہے کہ " اس فعل (عزل) کے عدم جواز کا کوئی صریح حکم کتاب و سنت میں نہیں آیا۔" (رپورٹ ص ۶۱)

توکّل علی اللہ اور خدا ہی کا رزاق ہونا۔

بے شبہ "عزل" کا ایک بڑا محرک کثرتِ اولاد سے بچنا ہے، تاکہ آدمی کو تنگیٔ معیشت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے، جیسا کہ اسلامی کونسل کی رپورٹ میں اس ڈر کا اظہار کیا گیا ہے، کہ تنگیٔ معیشت کے ڈر سے "عزل" کرنا کہیں توکّل کے خلاف تو نہیں، اس لیے کہ رزاق تو صرف اللہ ہی کی ذات پاک ہے۔ امام غزالیؒ اور ان کے مشہور شارح زبیدی نے اس امر کو بہ ظاہر توکّل کے خلاف لکھا ہے، لیکن اس سے روکا نہیں گیا، اس لیے کہ آنحضرتؐ نے خود خیبر کی آمدنی سے ایک سال کے لیے غذا کا ذخیرہ فرمایا تھا۔[۵] تقریباً اسی

قسم کی منصوبہ بندی مصر میں حضرت یوسفؑ نے فرمائی تھی۔ سورۂ یوسف میں آیا ہے کہ جب بادشاہِ وقت کے درباری، بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تاویل و تعبیر نہ بتا سکے، تو حضرت یوسفؑ سے رجوع کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ آئندہ سات سال تک تمہاری کھیتیاں خوب آباد و سرسبز رہیں گی، اس کے بعد قحط کا زمانہ آئے گا، جس کی ہولناکیوں سے بچنے کے لیے ابھی سے غلّے کو محفوظ رکھو، حضرت یوسفؑ نے نہ صرف اناج کو آنے والے نازک وقت کے لیے محفوظ رکھنے کا مشورہ دیا، بلکہ اہل مصر کو مشکل وقت اور اس کی تباہ کاری سے بچانے کے لیے کام بھی کیا۔ چنانچہ آنے والے قحط کے ڈر سے منصوبہ بندی کرنا اور ضرورت سے زائد غلّے کو محفوظ رکھنا ایسا امر ہے جسے خود حضرت یوسفؑ جیسے پیغمبر نے اختیار کیا۔ حضرت یوسفؑ کے اس قدم کو۔ اسباب پر اعتماد کرنے کو ـــــ کسی نے توکّل یا خدا کی رزاقیّت کے خلاف تصوّر نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عالمِ اسباب خود خدا ہی کا پیدا کردہ ہے اور اس نے یہاں ہر چیز کے دامن کو علّت و معلول اور اسباب و مسبب کے سلسلے سے باندھ دیا ہے اور آدمی کو اس امر سے آگاہ کر دیا ہے کہ عرصۂ حیات میں اس کی کامیابی کا راز سعی و عمل میں پنہاں ہے۔ اس لیے ابنِ قیّم نے کہا ہے کہ " تمام موجودات، اسباب و مسببات ہیں۔ اور شریعت تمام تر اسباب و مسببات ہیں۔ اور قرآن اسباب کے اثبات سے بھرا پڑا ہے۔" چنانچہ خدا پر توکّل کا رشتہ عمل سے جوڑا گیا ہے، بے عملی اور توکّل کبھی یکجا نہیں ہوتے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ توکل اور جدوجہد کی زندگی میں تضاد و تناقض ہے تو اس کی یہ سوچ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ "تنگیٔ معیشت سے بچنے کے لیے منصوبہ بندی کو توکل یا "فکری ارتداد" (جیسا کہ رپورٹ میں کہا گیا ہے ص ۷۹) قرار دینا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی آدمی بیماری میں دوا سے اجتناب کرے اور اسے (دوا کے استعمال کو) بقول ابن تیمیہ شرک فی التوحید گردانے۔ ایسے آدمی کا یہ عمل علما کے ہاں شرعی مقاصد کے خلاف قرار دیا گیا ہے[۱۷]۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسلامی کونسل نے اپنی رپورٹ میں منصوبہ بندی کو خدا کی رزاقیّت کے عالم گیر تصوّر کے خلاف تصوّر کیا ہے:۔

"ہم اس تحریک کی مخالفت خاص طور پہ دو وجہوں سے کرتے ہیں، پہلی وجہ ریک گونہ اقتصادی ارتداد سے تعلق رکھتی ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو رزاق سمجھ کر اس کے مطابق خاندانی منصوبہ بندی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور یہ سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف نظریہ ہے۔" (ص ۲۹) جیسا کہ

اوپر ذکر ہوا، قرآن مجید (حضرت یوسف ؑ کا واقعہ)، امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ اور ابن قیم تو عالم اسباب کو خدا ہی کی مخلوق گردانتے ہیں۔ اور اس کے آئینے میں آئینہ ساز ہی کو دیکھ رہے ہیں، لیکن اسلامی کونسل کو اس آئینے میں خدا کا حریف نظر آرہا ہے۔

ہم یہاں "عزل" کے بارے میں بحث کو مزید طول دینا نہیں چاہتے، چھوٹے کنبے کے بارے میں قرآن مجید کے اشارات اور بخاری و مسلم کی متفقہ احادیث کی روشنی میں تمام ائمہ کرام اور حنفی فقہا نے عزل کی اجازت دی ہے۔ البتہ بعض اصحاب ظواہر اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں علمائے کرام دانش مند، اور ارباب سیاست، زندگی کے تلخ حقائق سے آگاہ تھے، اس لیے علم کلام کی قیاس اور بے معنی بحثوں اور فقہ کی فرضی صورتوں سے اجتناب کرتے تھے۔ اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے لگایئے کہ ایک دفعہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص نے نماز جمعہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "لوگو! تم چار عادتوں سے بچو، کیوں کہ یہ عادتیں، تمھیں آرام کے بعد تکلیف، خوش حالی کے بعد تنگی، عزت کے بعد ذلت میں مبتلا کر دیں گی۔ تم، کثرتِ اولاد، خستہ حالی، فضول خرچی (ضیاع مال) اور مہمل گفتگو سے بچو۔" اس تقریر میں آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے غیر مسلم ہم وطنوں (اقباط مصر) سے حسنِ سلوک روا رکھیں۔ اس تقریر میں بڑے بڑے اہل علم اور اہل نظر بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے اٹھ کر یہ نہیں کہا کہ حضرت! آپ کثرتِ اولاد سے کیوں ڈراتے ہیں، اللہ تعالٰی رازق ہے، آپ کی یہ تقریر بقول اس رپورٹ کے "فکری ارتداد" کا پتہ دیتی ہے۔

یہ امر موجبِ حیرت ہے کہ عزل اور چھوٹے کنبے سے متعلق سورۂ البقرہ، اور سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیات، ان کی تشریحات جو امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ سے منقول ہیں، یا حضرت عمرو بن عاص کی مذکورہ بالا تقریر، جس میں کثرتِ اولاد سے بچنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ نیز عزل سے متعلق "احیاء علوم الدین" میں امام غزالیؒ اور اتحاف السادہ، میں غزالی کے شارح محمد الحسینی کی خوب صورت بحث، غرضیکہ ان تمام باتوں کا اسلامی کونسل کی اس رپورٹ میں ذکر تک نہیں ملتا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی کونسل نے خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ اجتماعی اور سیاسی عوامل کی بنا پر کی ہے۔ چنانچہ اس نے جہاں منصوبہ بندی کے

پروگرام میں "فکری ارتداد" کے یہ جراثیم دریافت کیے ہیں، وہاں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ مانع حمل آلات اور ادویات کی ترویج اور ایک تحریک کی صورت میں اسے دسیع پیمانے پر ہر جگہ قابلِ یافت بنانا ہمارے معاشرے کے نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑ دے گا ..... موجودہ شہوت انگیز اور ہیجان خیز فضا میں نوخیز و نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کے باہمی ناجائز تعلقات قائم کرنے کا یہ ذریعہ بن جائے گا" (ص ۷۹، ۸۰) گویا خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام اس لیے حرام ہے کہ بقول رپورٹ "فکری ارتداد" کا موجب بن سکتی ہے۔ نیز "موجودہ شہوت انگیز اور ہیجان خیز فضا" میں کھلے بندوں مانع حمل ادویات کا حصول فسادِ اخلاق کا موجب بنے گا۔ ان دونوں احتمالات کی بنا پر اسلامی کونسل نے خاندانی منصوبہ بندی کو حرام قرار دیا۔ اسلام کی تاریخ میں کسی چیز کی حلت و حرمت کا فیصلہ ہمیشہ قرآن و سنت کی قطعی نص سے ہوتا رہا ہے۔ اگر قرآن مجید اور سنت میں عزل یا منصوبہ بندی کے خلاف کوئی قطعی نص موجود نہیں، جیسا کہ خود اسلامی کونسل نے اس رپورٹ میں بھی کہا ہے (ص ۶۱)، تو پھر اسلامی کونسل یا کوئی ادارہ کسی جائز اور مباح امر کو کیوں کر حرام قرار دے سکتا ہے۔ ؟ کیا یہ فیصلہ علمائے یہود و نصاریٰ کے فیصلوں سے نہیں ملتا جو بقول قرآن خدا کے علاوہ خود خدا بننا چاہتے ہیں۔ دائرۃ المعارف برطانیہ کے حوالوں سے رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مانع حمل دواؤں کے استعمال سے سوسائٹی میں جہاں فحاشی کا رجحان تیزی سے بڑھتا ہے، وہاں خواتین ان دواؤں کے استعمال سے متعدد امراض کا شکار بھی بن رہی ہیں۔ بے شبہ اسلامی کونسل کی اس رائے میں وزن ہے، لیکن اس بات کا آخری اور قطعی فیصلہ تو ماہرین کا طبی بورڈ ہی کر سکتا ہے کہ یہ دوائیں جو ہم مغرب سے درآمد کر رہے ہیں کس حد تک نقصان دہ ہیں۔ البتہ اس امر میں شک نہیں کہ ہم اپنے مزاج، تہذیب، معاشرت، موسم اور فضا کے اعتبار سے مغرب سے مختلف ہیں۔ اس لیے ان دواؤں کے بارے میں انتہائی احتیاط و حزم برتنے کی ضرورت ہے۔ رہی یہ بات کہ ان دواؤں کے عام دست یاب ہونے سے فحاشی میں اضافہ ہوگا، یہ امر بھی تشویش ناک ہے اور قابلِ غور۔ اس لیے کہ جنسی بے راہ روی، قوموں کی صحت مند فکری اور اخلاقی زندگی کے لیے انتہائی مہلک مرض ہے۔ لہذا ان دواؤں کو عام نہیں ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ صرف شادی شدہ جوڑے ہی ان دواؤں کو خریدنے کے مجاز ہوں۔ اب تک ان دواؤں یا

دوسری چیزوں کو ــــــــــــ مناسب انداز سے تقسیم نہیں کیا گیا ۔ اس تقسیم میں ہمارے اخلاقی و معاشرتی آداب کا خیال نہیں رکھا گیا ۔ لیکن ان دواؤں کے غلط استعمال اور ان سے پیدا ہونے والے مفاسد سے یہ لازم نہیں آتا کہ شرع نے جس فعل کی اجازت دی ہے ، اسے حرمت سے بدل دیا جائے ۔ چنانچہ ہمیں ہر سوال کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جن ائمہ کرام نے خاص طور پر حنفی فقہا نے عزل کو جائز قرار دیا ہے ، وہ ان مسائل کے تمام پہلوؤں سے پوری طرح باخبر تھے ۔ اسلامی کونسل نے ہماری موجودہ اجتماعی فضا کو تو شہوت انگیز اور ہیجان خیز قرار دیا ہے ۔ اگر واقعی یہی بات ہے ، تو پھر سنجیدگی سے اس "شہوت انگیز فضا" کے اسباب و عوامل کا پتہ بھی لگانا چاہیے تھا ۔ اقتصادی ، معاشی اور سیاسی اسباب کا پتہ لگائے بغیر کیا صرف "عزل" کی حرمت سے اس "شہوت انگیز اور ہیجان خیز" فضا کو ختم کیا جا سکتا ہے؟ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کو تو اسلامی کونسل نے اپنی رپورٹ میں مغربی مفکرین کا تحفہ قرار دیا ہے ، لیکن کیا پاکستان کی اجتماعی فضا کو جو بقول ان کے "شہوت انگیز اور ہیجان خیز" ہے ، مغربی مفکرین نے پیدا کیا ہے ۔ اسلامی کونسل نے اپنی رپورٹ میں مزید کہا ہے ۔ "جب قرآن و حدیث کا منشا یہی ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں اولاد کی کثرت مطلوب ہے ، تو پھر ظاہر ہے کہ ہر وہ کوشش جس کے نتیجے میں اولاد کی کثرت کی مخالفت ہو اور ان کی تقلیل کے لیے تدبیریں کی جا رہی ہوں ، تعلیمات اسلامی کے خلاف ہوگی ۔" (ص ۳۷)

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس رپورٹ میں اسلامی کونسل نے اپنے اس دعوے کی تائید میں ـــــ کہ قرآن کثرتِ اولاد کا خواہاں ہے ـــــ قرآن مجید کی ایک آیت بھی پیش نہیں کی ۔ ہمارے دل میں اسلامی کونسل کی عزت ہے ، اس لیے کہ وہ ایک مقدس مشن کے لیے تشکیل کی گئی ہے ۔ چنانچہ ہم اس کے فرمودات کو یقیناً سند تسلیم کر لیتے ، اگر وہ قرآن مجید کے صاف اور واضح بیانات کے خلاف نہ ہوتے ۔ قرآن مجید نے عمومی طور پر انسانی زندگی کو جس پر انسان اتراتا رہتا ہے ، متاعِ غرور سے تعبیر کیا ہے ۔ متاعِ غرور کی فہرست میں قرآن مجید نے مال و اولاد کی کثرت کو بھی شمار کیا ہے ۔ سورۃ حدید آیت ۲۰ میں اس کا قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے خدا نے فرمایا ــــــــــــ

خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمھارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دُنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔"
تقریباً یہی مضمون سورہ سبا آیت ۳۴، ۳۵ میں بھی دہرایا گیا ہے ۔ کھاتے پیتے عیش پسند مغرور لوگوں نے پیغمبروں کی دعوتِ حق کا مذاق اڑایا اور دعوی کیا کہ مال و اولاد کی کثرت اُنھیں مکافاتِ عمل سے بچا لے گی ۔ ارشاد خداوندی ہے :۔ " ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں کے عیش پسند مغرور مال دار لوگوں نے کہا کہ جو پیغام تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اسے نہیں مانتے ۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم تو بڑی دولت والے اور اولاد والے ہیں، ہمیں کوئی عذاب نہیں پہنچے گا۔"

ان دونوں سورتوں میں مال و دولت اور اولاد کی کثرت کے لیے "تکاثر فی الاموال و الاولاد" اور " اکثر اموالاً و اولاداً " کے الفاظ بولے گئے ہیں ۔ قرآن مجید نے جس فصاحت اور بلاغت سے مال و دولت اور اولاد سے انسان کی محبت ، زندگی پر اس کے گہرے اثرات اور نتائج کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد یہ دعوی کرنا کہ قرآن کے ہاں "مسلمانوں کے معاشرے میں مال و اولاد کی کثرت مطلوب ہے،" ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ قرآن زندگی کے حقائق کا ترجمان ہے ، اس لیے وہ مزید کہتا ہے کہ نیک اور صالح اولاد کی تمنا ، پیغمبروں اور عارفوں کا شیوہ رہا ہے ۔ سورہ آل عمران میں قرآن نے حضرت زکریا کی یہ دعا نقل فرمائی ہے :۔ اے پروردگار! مجھے از راہِ کرم پاکیزہ اولاد عطا فرما، ایک دوسری جگہ قرآن نے نیک بندوں کے پاکیزہ اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان نیک بندوں کی خدا سے یہی التجا رہی ہے کہ ان کی بیویاں اور اولاد ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں ۔
واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا عالم گیر اور ماورائی مزاج (Transcendental Nature) ہجوم اور بھیڑ کا کبھی قائل نہیں رہا ۔ تعداد کی قلت یا کثرت کبھی اس کی نگاہِ التفات کا مرکز نہ بن سکی ۔ مقدار (Quantity) کی بجائے صفت (Quality) ہمیشہ اس کے پیش نظر رہی ، یہی وجہ ہے کہ اس نے ایمان ، عمل صالح اور سچائی کی راہ میں آنے والی مشکلات پر

صبر و استقامت کی بار بار تلقین کی ہے۔

یہاں پر اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام ہر جگہ اور ہر مقام پر یکساں طور پر نافذ نہیں کیا جا سکتا، مثلاً سعودی عربیہ میں آبادی کم ہے اور وسائل معیشت زیادہ، اس لیے وہاں اس پروگرام کا اطلاق ضروری نہیں۔ نیز یہ کہ چھوٹے کنبے سے مُراد یہ نہیں ہے کہ بچوں کی ولادت کو یک قلم روک دیا جائے۔ اولاد کی فطری خواہش کے خلاف کون لڑ سکتا ہے؟ چھوٹے کنبے سے مراد یہ ہے کہ آدمی چھوٹے کنبے کے بارے میں اپنی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریوں کو بہ حسن و خوبی سرانجام دے سکتا ہے۔ بڑے کنبے کے بارے میں اکثر آدمی ایسا نہیں کر سکتے۔ اولاد تھوڑی ہو، لیکن جسمانی، فکری اور اخلاقی طور پر صحت مند ہو۔ یہی اولاد والدین کی آنکھوں کی "ٹھنڈک" (قرۃ العین) بنتی ہے۔ زیادہ لیکن بد اخلاق اور بیمار، نہ صرف والدین کی آنکھوں کا بلکہ پوری سوسائٹی کی آنکھوں کا کانٹا تو بن سکتی ہے، لیکن قومی و ملّی مسائل کا مداوا نہیں بن سکتی، جیسا کہ رپورٹ میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں ہم اس امر کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل ملک کا ایک معزز ادارہ ہے، جس کی تشکیل ایک بلند مقصد کے لیے عمل میں آئی ہے۔ اس نے اپنی اس رپورٹ میں اپنے افکار و آرا کی تشریح و تفسیر میں جو انداز اختیار کیا ہے، وہ اس کے وقار اور تمکنت سے فروتر ہے۔ رپورٹ میں اس نے اپنے سے اختلاف کرنے والوں کے لیے "مغربی مفکرین کے شاگردان رشید" کی ترکیب تراشی ہے، اور مغربی مفکرین کے لیے "شیطان" اور "بدنیت" کے الفاظ بولے ہیں۔ یہ انداز بیان سیاسی پروپیگنڈے کے لیے تو شاید وقتی طور پر کامیاب رہے، لیکن علمی دنیا میں جہاں پر آدمی ذاتی انا سے دست بردار ہو کر صرف اور صرف تلاش حق اور پیروی حق کے لیے کام کرتا ہے، گفتگو کا یہ انداز ہمیشہ ناپسندیدہ رہا ہے اور اسے سوقیانہ شمار کیا گیا ہے، جو ذوق سلیم اور علمی مذاق پر گراں گزرتا ہے اور جس سے خود اسلامی کونسل کا اپنا وقار بھی مجروح ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ اس رپورٹ میں مغربی مفکرین کے جو حوالے دیے گئے ہیں، ان میں صحّت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ مثلاً برطانوی فلسفی رسل کے حوالے سے لکھا گیا: "جن ملکوں نے ضبط تولید پر عمل کیا ہے، ان کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے رسل نے جو تجزیہ کیا اس کے مطابق، انگریز، فرانسیسی اور

جرمن افراد کی تعداد برابر کم ہو رہی ہے، اور اس کمی کی وجہ سے ان اقوام پر کم مہذب اقوام کی بالادستی قائم ہو رہی ہے۔" (ص ۱۶)

رسل کی کتاب (Principals of Social Reconstrution) ہر جگہ دستیاب ہے، اس کی عبارت کا صحیح مفہوم نہیں دیا گیا۔ رسل نے اس کتاب میں اس امر پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ موجودہ وقت میں (یہ کتاب پہلی بار ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی تھی) مغربی سوسائٹی پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو چکی ہے، لیکن شادی کا ادارہ ایسا ادارہ ہے، جو اب بھی مذہب کے زیر اثر ہے۔ لیکن پڑھے لکھے اور ذہین مردوں اور ایسے ہی پڑھی لکھی اور ذہین خواتین میں کم بچے پیدا کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اعلیٰ ذہین طبقے کے ہاں شرح ولادت کم ہے۔ البتہ غبی، احمق اور غیر مہذب طبقے کی شرح ولادت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ امر، علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کے لیے تشویش ناک ہے۔ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں :- ہم کیا چاہتے ہیں؟ اس بارے میں ہمارے (افکار) صاف ہونے چاہییں، ہمارے نزدیک آبادی کی کثرت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس اگر یورپ کی آبادی میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا، (شرحِ ولادت اور موت میں مساوات ہوتی) تو اقتصادی اصلاحات کو رائج کرتا، اور جنگ سے اجتناب کرنا زیادہ آسان ہوتا — شرحِ ولادت میں انحطاط فی نفسہٖ افسوس ناک بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ حقیقت کہ آبادی کے بہترین عناصر میں شرح ولادت کی انحطاط میں زیادتی افسوس ناک بات ہے۔ بہر نوع مستقبل میں تین بڑے نتائج کے ظہور پذیر ہونے کے ڈر کی وجہ موجود ہے (۱) انگریزوں، فرانسیسیوں، اور جرمنوں کی تعداد میں انحطاط مطلق، (۲) اس انحطاط کے نتیجے میں ان کا کم مہذب ملکوں کا غلام بننا، اور ان کی روایات کا خاتمہ ہو (۳) ایسے لوگوں کی کئی نسلوں کے بعد جو بصیرت اور ذہانت سے عاری ہیں، تہذیب کی نچلی سطح پر آبادی کا اچھا — اگر اس نتیجے سے بچنا ضروری ہے تو پھر موجودہ وقت میں شرح ولادت کا غیر پسندیدہ انتخاب بند کرنا ہوگا۔" دیکھیے، رسل کو آبادی کی قلت یا کثرت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اس کی دلچسپی تہذیب و تمدن کی موجودہ رفتار سے ہے۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں تہذیبی روایات، جہالت و بربریت سے اور بصیرت و ذہانت، بغاوت و

حماقت سے بار نہ کھا جائے ، جس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ سوسائٹی کے مختلف مذہب اور غیر مہذب گروہوں میں حالیہ شرح ولادت پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ لیکن رسل کے اس بیان کو اسلامی کونسل نے "ضبط ولادت" نامی کتاب کے حوالے سے اپنے دعوئ ضبط ولادت کی حمایت میں نقل کرنا ضروری جانا ۔ کیا اچھا ہوتا کہ کونسل کے فاضل ارکان، رسل کے انگریزی بیان کو خود پڑھنے کی زحمت گوارا کر لیتے ، رسل نے تہذیبی روایات کو بچانے کے لیے جو کچھ کہا ہے ، تقریباً یہی بات ایک دوسرے فلسفی نے کہی ہے ۔ ول ڈیورینٹ نے لکھا ہے :۔

"مشینوں کی افراط اور شرح اموات کی کمی نے کثیر تعداد میں بچے پیدا کرنے کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے ۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سماج کی فلاح وبہبود ایک کثیر آبادی میں مضمر ہے تو یہ اس لیے کہ ہم مقدار کو غیر ضروری اہمیت دے کر اپنے آپ کو فریب میں مبتلا رکھتے ہیں" یا ہم استعماری توسیع کے آرزومند ہیں ، لیکن مقدار سے کبھی کوئی جنگ فتح نہیں ہوگی ۔ جنگیں عقل اور اسلحہ سے فتح کی جاتی ہیں اور جس وقت چینی ، مشینوں کے معاملے میں ہماری برابری کرنے لگیں گے ، وہ بھی آبادی پہ پابندیاں لگانے کے وہی ذرائع اختیار کریں گے ، جو ہم کرتے رہے ہیں ۔ بڑے کنبوں کی نہ آج قوم کو ضرورت ہے ، نہ اخلاق کو ۔ اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عورت کو ایک خاص حد تک مامتا کا وظیفہ ادا کرنا چاہیے ، تو وہ محض اس لیے کہ اس سے سماج کی نہیں ، بلکہ اس کی اپنی تکمیل اور مسرت کے امکانات پیدا ہوتے ہیں ۔" [۵۹]

جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ اسلامی کونسل نے خاندانی منصوبہ بندی کے حامیوں کو اہلِ مغرب کا "شاگردانِ رشید" قرار دیا ہے ، اور پھر پوری رپورٹ میں مغرب پر جس انداز سے لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب ، ہماری معزز کونسل کے اعصاب پر سوار ہے ۔ بے شبہ مغربی سامراج ثقافتی ہو یا سیاسی ، ایک لعنت تھا اور ہے اب تک ، اس کی اخلاقی اور معاشی تباہ کاریوں پر خود مغرب ہی کے اہلِ علم نے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے ۔ ہمارے ہاں جن لوگوں نے مغربی تہذیب کی تہ میں اُتر کر اسے دیکھا اور پھر علیٰ وجہ البصیرت اس کے حسن و قبح پر لکھا ، وہ مرحوم علامہ اقبال ہیں ۔ لیکن اقبال یہ بھی چاہتے تھے کہ ہمیں مغرب کی برائیوں سے دور رہتے ہوئے ان کے ذوقِ تجسس اور جذبۂ عمل سے سبق حاصل کرنا چاہیے ، حتیٰ کہ

وہ اسلام سے متعلق یورپ میں لکھی جانے والی کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کرنا ضروری جانتے تھے۔ ایسے ہی وہ مغربی مستشرقین کو لاہور کے علمی مذاکروں میں بلانے کے حق میں بھی تھے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کی مشکلات کو ان کے صحیح تناظر ہی میں دیکھتے تھے اور علمی مسائل کو علمی انداز ہی سے حل کرنے کے قائل تھے۔ اس لیے ہماری اسلامی نظریاتی کونسل سے درخواست ہے کہ علمی مسائل کو علمی انداز ہی میں حل کرنے کی سعی کرے۔ یہی ایک راہ ہے جس پر چل کر ہم اپنی فکری اور اخلاقی مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق اس رپورٹ کا لب ولہجہ علمی نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے اس موضوع پر مذہبی نقطۂ نظر سے بحث کرنے کی بجائے اپنی اجتماعی مشکلات پر مغرب کو گھسیٹنا نہ صرف ضروری جانا، بلکہ اسے اپنا حریف بھی تصور کر لیا ہے۔ مولانا عبدالجبار دریابادی نے ٹھیک لکھا ہے:۔ "شریعت کے مسئلے بڑے اور چھوٹے، سب اپنی اپنی جگہ پر حق اور عین حق ہیں، لیکن انھیں بھی سمجھنے کے لیے اور ان سے استفادے کے لیے ضرورت ہے تھوڑی سی شرافتِ نفس کی، دماغ پر حکومت کج فہمی کی اور دل پر، تسلط بغض وعناد کا نہ ہو! اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ"۔[۵۸]

اس رپورٹ میں جو مغربی حوالے دیے گئے ہیں اور جس انداز سے دیے گئے ہیں۔ ہم اس پر تفصیل سے لکھنا چاہتے تھے، لیکن افسوس کہ ہجومِ کار میں ایسا نہ کر سکے۔

زباں زِ نطق فرو ماند و رازِ من باقیست
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقیست

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے روزنامہ "مسلم" اسلام آباد، ضمیمہ ص I، مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۸۵ء

۲۔ اعلام الموقعین، قاہرہ، ۱۹۶۸ء، ج ۳ ص ۳۰ (مرتب طٰہٰ عبدالرؤف)۔

۳۔ تاریخ التشریع الاسلامی، قاہرہ۔ ۱۹۵۴ء، ص ۱۲۲ - ۱۲۴۔

۴ - احکام القرآن، لاہور ۱۹۸۰ء ج ۱، ص ۳۵۳
۵ - اتحاف السادة المتقین، قاہرہ، ج ۵، ص ۳۸۱۔۳۸۲، (احیاء علوم الدین کی شرح)
۶ - ابن تیمیہ نے تفصیل سے اس موضوع پر اپنے رسالہ "الارادة والامر" میں جسے المنار نے قاہرہ سے 'الرسائل' میں شائع کیا ہے، بحث کی ہے۔ ج ۱، ص ۳۶۸، ۳۶۹
۷ - النجوم الزاہرة فی ملوک مصر والقاہرة، قاہرہ ۱۹۲۹ء، ج ۱، ص ۷۳
۸ - ص ۱۲۶، ایڈیشن ۱۹۶۰ء، لندن۔
۹ - نشاطِ فلسفہ، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۴۰، (ترجمہ ڈاکٹر محمد اجمل) اس کتاب کا پہلا انگریزی ایڈیشن ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا۔
۱۰ - سچی باتیں، کراچی ۱۹۸۲ء، ص ۲۳۱، (مرتب حکیم بلال اکبر آبادی)